

خطبۂ حجۃ الوداع

شعبۂ دعوت و ارشاد

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
(اِسلام آباد — پاکستان)

خطبۂ حجۃ الوداع

اردو ترجمہ و شرح کے ساتھ

محمد میاں صدیقی

شعبۂ دعوت و ارشاد

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

ادارہ تحقیقات اسلامی

جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد

سلسلہ مطبوعات دعوت وارشاد (۷)

نام کتاب	:	خطبۂ حجۃ الوداع
مترجم	:	محمد میاں صدیقی
طبع اول	:	۱۹۸۰ء ، دو ہزار
طبع ثانی	:	۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء - گیارہ سو
مطبع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس
ناشر	:	ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵ اسلام آباد

ادارہ اسلامی یکجہتی فنڈ کا شکر گزار ہے جن کے مالی تعاون سے اس کتاب کی اشاعت اور بلا معاوضہ تقسیم ممکن ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ادارہ تحقیقات اسلامی کے فاضل رفقاء جہاں ایک طرف اسلامی موضوعات سے متعلق بعض طویل منصوبوں پر کام کر رہے ہیں وہاں وہ پیش آمدہ مسائل پر مختصر مگر جامع تحریریں بھی لکھتے رہتے ہیں۔

اس بات کے پیش نظر کہ ملک میں نفاذِ اسلام کا عمل جاری ہے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ کی جانب سے تحقیقی لٹریچر کے علاوہ ایسے مقالات اور تحریروں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جائے جو معاشرہ کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے مددگار ثابت ہوں۔ یہ بات ادارہ کے مقاصد میں بھی شامل ہے چنانچہ اس کارِ خیر کی ابتدا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خطبات سے کی گئی۔ چیدہ خطبات انگریزی ترجمہ کے ساتھ طبع کئے گئے۔ خطبۂ تبرک اور خطبۂ حجۃ الوداع اردو ترجمہ و تشریحات کے ساتھ شائع کیا گیا۔ ان کے علاوہ جو کتابیں اور کتابچے اس منصوبے کے تحت شائع کئے گئے۔ اُن میں مقالات سیرت، عظمتِ قرآن، کارِ دعوت کی دشواریاں اور مسائل، حرمت سود، اصولِ دعوتِ دین قابلِ ذکر ہیں۔ اہل علم نے ان کتابوں کی جس حد تک پذیرائی کی وہ ہمارے لئے بہت حوصلہ افزا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ، ہم دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اس میں مفید اضافے کیئے گئے ہیں اور پہلے ایڈیشن میں جو خامیاں رہ گئی تھیں اُن کو دور کر دیا گیا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کا مکمل متن کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں، اس کے مکمل متن کے حصول کے لئے ہم نے مقدور بھر کاوش کی ہے، ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے شائع کردہ متن کے علاوہ حدیث اور سیرت کی مستند کتابوں سے بھی رجوع کیا ہے اور ان کی مدد سے اس کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو ترجمہ و تشریحات ادارہ کے رفیق جناب محمد میاں صدیقی نے کی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع کا اردو ترجمہ و شرح قارئین کے لئے افادیت کا حامل ہوگا۔ اللہ تعالےٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

شعبۂ دعوت و ارشاد

رجب المرجب ۱۴۰۳ھ

حجۃ الوداع

حِجَّۃٌ۔ حار کے کسرہ کے ساتھ ایک بار حج کرنے کے معنی میں آتا ہے لیکن یہ شاذ ہے، قیاس کی رو سے حار کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حَجَّۃٌ حَجَّ یَحُجُّ باب نصر ینصر سے، مصدر حَجًّا ہے حار کے فتحہ کے ساتھ اسم حِجٌّ ہے اس میں حار کا کسرہ ہے، سیبویہ کہتے ہیں کہ حجۃٌ واحدۃٌ بولا جاتا ہے ازہری کہتے ہیں کہ حار کے کسرہ کے ساتھ اَلحِجُّ وَالحِجَّۃُ بولا جاتا ہے۔

بعض ماہرینِ لغت کا قول ہے کہ ہم نے اہلِ عرب سے حُجُجَاتٌ حَجَّۃٌ نہیں سُنا، وہ لوگ حُجُجَاتٌ حِجَجٌ کہتے ہیں۔ کلامِ عرب میں فَعَلَۃٌ کا وزن رائج ہے مگر اس کے باوجود حُجَجِیتُ حِجَّۃ کہا جاتا ہے رحار کے کسرہ کے ساتھ، حج کے مہینہ کو ذوالحِجّۃ کہتے ہیں۔

علمائے حدیث حار کے کسرہ کے بجائے حار کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں حَجَّۃٌ اگرچہ اہل لغت کے نزدیک حار کے کسرہ کے ساتھ تلفظ صحیح تر ہے۔

حجۃ الوداع نبی کریم علیہ السلام کے اس حج کو کہا جاتا ہے جو سن ۱۰ ہجری میں ادا کیا گیا۔ یہ وہ واحد اور منفرد حج ہے جو فرضیتِ حج کے بعد حضور علیہ السلام نے ادا فرمایا، اسلام کا رکن ہونے کی حیثیت سے نہ اس سے پہلے کوئی حج کیا اور نہ بعد میں، کیونکہ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا اور

۱۰ ہجری میں فرض حج کی ادائیگی کے کم و بیش دو ماہ بعد حضور نبی کریم علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حجتہ الوداع کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے منا، اور یوم عرفہ کے خطبات میں مسلمانوں کو وداع (خدا حافظ) کہہ دیا تھا، پہلا کلمہ جو آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور جس سے خطاب کی ابتداء کی وہ یہ تھا۔

ایھا الناس اسمعوا قولی لعلی لا القاکم
بعد عامی ھٰذا بھٰذا الموقف۔

اے لوگو: میری بات (غور سے) سن لو، کیوں کہ اس سال کے بعد
اس جگہ آئندہ میری تم لوگوں سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

اگرچہ عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں حضور علیہ السلام کے رخصت اور وداع ہونے کا صحیح اور واضح مفہوم، ان کلمات کے بعد بھی نہ ابھرا لیکن اکابر صحابہ سمجھ گئے کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ دیر ہم میں تشریف فرما نہ رہیں گے۔ پھر یوم عرفہ میں اس آیت کے نزول نے اکابر صحابہ کے اس گمان اور سمجھ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۱)

(آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم کو اپنی پوری
نعمت عطا کر دی، اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا)

فقہائے صحابہ کو یقین ہو گیا کہ جب اللہ نے اپنے آخری رسولؐ کے ہاتھ پر اپنے آخری دین کو مکمل کر دیا تو اب امت سے اس کے ہادی اور رسولؐ کے رخصت اور فراق کی گھڑی آن پہنچی،

لہ: سورۃ المائدہ، آیت: ۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے۔ ہم حجۃ الوداع کی باتیں کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام ہمارے درمیان تشریف فرما تھے مگر ہم نہیں جانتے تھے کہ حجۃ الوداع کیا ہے اس کا کیا نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ السلام کو قربانی کے دن دیکھا۔ آپؐ اپنی سواری پر سوار تھے، رمی جمار کر رہے تھے آپؐ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ لوگو! حج کے اعمال ومناسک مجھ سے اچھی طرح سیکھ لو۔ مجھے نہیں معلوم کہ آئندہ اس حج کے بعد میں حج نہ کر سکوں۔"

ان وضاحتوں کے باوجود بھی عامۃ مسلمین نہ سمجھے کہ حضور علیہ السلام اپنی امت سے جدا ہونے والے، اور اپنے رب جل وعلا سے ملنے والے ہیں۔ تاآں کہ دو ماہ بعد حضورؐ اقدس رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

حجۃ الوداع کو "حجۃ الاسلام" بھی کہا گیا کیوں کہ اسلام کے ایک رکن اور فریضہ کی حیثیت سے حضور علیہ السلام نے یہی حج ادا فرمایا تھا۔"

"حجۃ البلاغ" بھی کہا گیا کیوں عرفہ کے روز حضور علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ "هل بلغت" اور سب نے گواہی دی کہ بلاشبہ آپؐ نے اللہ کی شریعت قول اور عمل دونوں طریقوں سے امت تک پہنچادی۔

"حجۃ الکمال والتمام" بھی کہا گیا کیوں کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی۔" الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا [1]

اے اللہ: ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار، ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت اور تیرے بھیجے ہوئے آخری، دائمی اور عالم گیر دین کو قولاً وعملاً پہنچا دیا۔ امین ہونے کا حق ادا کر دیا۔ امت کو ہر خیر اور بھلائی کی نصیحت کر

---

[1] : المائدہ آیت : ۳

دی. اور اللہ کے راستے میں جہاد کا جو حق تھا وہ پورا پورا ادا کر دیا.

وصلی اللہ علیہ وسلّم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سے پہلے کہ اس عظیم خطبہ کی توضیح و تشریح کی جائے جو نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے پہلے اور آخری حج کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد فرزندانِ توحید کے اجتماع میں ارشاد فرمایا. حج کے بارے میں چند اصولی اور بنیادی باتیں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے.

حج، اسلام کا اساسی رکن ہے اور دوسری عبادات کی طرح اس کی اصل روح اور غرض و غایت تقویٰ، پرہیزگاری اور اللہ کی خوشنودی ہی ہے اس کے علاوہ اس کی ایک اور منفرد نوعیت بھی ہے، وہ یہ کہ،

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام، جن کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے بہی بھی ایک خاص تعلق ہے، حج درحقیقت اللہ کے ساتھ ان کی عبدیت اور فدائیت کی نسبت کا ظاہری اور باطنی خاکہ ہے.

حج کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ وہاں پہنچ سکتا ہے وہ عمر میں ایک مرتبہ ضرور وہاں پہنچے اور ان کے کامل عبدیت اور کامل محبت والے مسلک سے اپنی وابستگی کا ثبوت دے اور اس سرزمین میں پہنچ کر اپنے ظاہر و باطن کو ابراہیمی رنگ میں رنگنے کا جذبہ پیدا کرے.

اسلام کا ہر رکن تزکیہ، تربیت اور تنظیم کے بے شمار پہلو رکھتا ہے۔ حج میں بھی یہی روح کارفرما ہے اور یہ اس ندائے ابراہیمی پر لبیک کہنے کی عملی صورت ہے جو انہوں نے اللہ کے حکم سے بلند کی تھی۔

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق، لیشھدوا منافع لھم، ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام، فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر، ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق۔ [1]

"اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کردو کہ تمہاری طرف پیدل، اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آئے ہوں، (سوار ہو کر) آئیں تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں اور قربانی کے دنوں میں جو مویشی اللہ نے ان کو دیئے ہیں ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام لیں، ان میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ لوگوں کو بھی کھلاؤ)

قرآن حکیم کی ان آیات سے جن میں حج کے اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے اس منفرد اور عظیم الشان اجتماع کے موقع پر ہر طرف سے لبیک اللھم لبیک کی جو صدا بلند ہوتی ہے حقیقت میں وہ اسی ندائے ابراہیمی کا جواب ہے شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ "اسلام کے مقاصد میں سنتِ ابراہیمی کا احیاء بھی ہے" اور اس احیاء کی بہترین مثال حج بیت اللہ ہے گویا حج کرنے والا ابو الانبیاء حضرت ابراہیم

---

[1]: القرآن، ۲۲: ۲۷-29

خلیل اللہ کی پکار پر لبیک کہتا ہوا اللہ کے گھر میں حاضر ہوتا ہے ؎۱

حجۃ الوداع

مکہ مکرمہ، رمضان ۸ ہجری میں فتح ہوا تھا اس سال کا ذی الحجہ، حج سے خالی نہیں گیا تھا لیکن وہ حج اسلام کے ایک بنیادی رکن اور فرض کی حیثیت سے نہ تھا سنت ابراہیمی کی پیروی یا نفلی عبادت کے طور پر تھا۔ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا اور اسلام کے ایک اساسی رکن اور فرض کی حیثیت سے اسی سال ادا کیا گیا۔ تین سو مسلمانوں کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا گیا ان ہی کی امامت وسیادت میں اسلام کا یہ پہلا حج (فرض) ادا ہوا قافلہ حج کی روانگی کے بعد سورۂ توبہ (یا برأت) نازل ہوئی۔ اسے لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بعد میں روانہ ہوئے اور راستہ میں قافلے سے جا ملے یہ اسلام کا پہلا حج تھا اور اس میں مشرکوں کی روک ٹوک کا قطعاً کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے اس حج کو سورۂ توبہ میں "حج اکبر" کہا گیا۔ ؎۲

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر موقع پر امامت کے فرائض سرانجام دیئے، مناسک حج کی تعلیم دی اور یوم النحر میں نہایت جامع اور فصیح وبلیغ خطبہ دیا، جو حج کے مقاصد، فضائل

بقیہ حواشی صفحہ سابقہ سے روایات سے ثابت ہے کہ حج تمام انبیاء پر فرض رہا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پر فرض ہوا اور انہوں نے ہندوستان سے پیدل چل کر حج ادا کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ستر (۷۰) حج کئے اور سب پاپیادہ، بہرکیف کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حج بیت اللہ نہ کیا ہو۔

؎۲ و اذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (توبہ۔ آیت ۳)

اور حقائق و مسائل پر مشتمل تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سوۂ توبہ (یا براءت) کی ۴۰ آئیتیں پڑھ کر سنائیں جس میں اس امر کا اعلان تھا کہ اب کوئی مشرک و کافر خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ حج کر سکے گا نیز اعلان کیا کہ مشرکین کے معاہدے خود ان کے نقض عہد کی وجہ سے ٹوٹ گئے اب انہیں صرف چار ماہ کی مہلت ہے اس مدت کے بعد کوئی معاہدہ قائم و باقی نہیں رہے گا۔

اس اعلان کے بعد لوگ فوج در فوج اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے لگے، دور دراز علاقوں سے مختلف قبیلے آئے، اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے وفاتِ نبوی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس طرح لوگوں نے حج اکبر تو کر لیا، لیکن وہ کون سا دل ہوگا جسے یہ تڑپ اور خواہش بے چین نہ کر رہی ہوگی کہ وہ امام المرسلین کی امامت و اقتداء میں یہ عظیم فریضہ ادا کرے کسے ایک بار کعبۂ حقیقت کے ساتھ طواف کرنے کی حسرت نہ ہوگی اور کس کو یہ آرزو مضطرب نہ کر رہی ہوگی کہ وہ ایک بار رسولِ اعظم کو اپنی آنکھوں سے فریضۂ حج ادا کرتے ہوئے دیکھے اور ان کے اس اسوۂ عمل کا مشاہدہ کرے جو وہ امت کے لئے چھوڑ کر رخصت ہونے والے تھے لیکن اللہ نے اپنا یہ فریضہ امتِ محمدیہ پر زندگی میں صرف ایک بار ضروری قرار دیا تھا، اس لئے یہ مبارک موقعہ بھی ایک ہی بار آیا۔ کہ رسولِ آخریں نے اپنی تیار کردہ امت کے ایک لاکھ سے زائد افراد کے ساتھ یہ فرض ادا کیا یہ موقعہ اور یہ منظر چشم گردوں نے پھر کبھی نہ دیکھا اور نہ دیکھ سکے گا، کہ خیر الامم نے امام الانبیاء کی امامت اور سیادت میں اللہ کے گھر کا طواف کیا وہ افضل البشر اور خیر الرسل جو تمام نبیوں اور رسولوں کی صفاتِ کاملہ کا حامل ہے خدا کی آخری اور بہترین امت کا امام و مقتدا بنا، عالم کون و مکان کی ابتداء سے انتہا تک اس کا ایک ہی بار ظاہر اور وقوع پذیر ہونا مقدر تھا جو ۱۰ ہجری میں ہوا۔ [۱]

---

[۱] "حجۃ الوداع" کے موقع پر بے شمار مسلمان ایسے بھی تھے جو چند روز بیشتر ہی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے تھے مگر انہیں ابھی تک حضور علیہ السلام کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی انہیں اس موقعہ پر یہ سعادت کبریٰ ملی کہ وہ پیغمبر آخر الزمان کا دیدار دیکھے (ضو پ)

حجتہ الوداع کو اس لئے حجتہ الوداع کہا گیا کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، لوگوں سے رخصت ہو گئے یا آپ نے لوگوں کو رخصت کر دیا اور آئندہ سال حج کے موقع پر لوگ آپ کی زیارت نہ کرسکے بلکہ حج سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور آئندہ سال مسلمان اس سعادتِ کبریٰ سے محروم ہو گئے کہ افضل الرسل اور سید الانبیاء کی زیر امارت مناسک حج ادا کر سکیں۔

اس حج کو حجتہ الاسلام بھی کہا گیا کیوں کہ فرضیت حج کے بعد یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حج (اور آخری بھی) تھا، ہجرت مدینہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ کوئی حج ادا نہیں کیا۔ [لے]

اس حج کو حجتہ البلاغ سے بھی تعبیر کیا گیا اس لئے کہ اس میں حضور اقدس نے امت کو شریعت، قولاً اور عملاً دونوں طریقوں سے پہنچا دی،

اس کو حجۃ التمام والکمال بھی کہا گیا، اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے..

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (کے)

بقیہ حاشیہ

کر سکیں، اور اس کاروانِ رشد و ہدایت میں شامل ہوں جس سے اللہ نے اپنے دائمی رضا کا وعدہ کیا ہے، رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

(حجتہ النبی۔ احمد عبدالغفور عطار)

لے: مدینہ کی دس سالہ زندگی میں جناب رسالت مآب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاتفاق صرف ایک حج کیا، ۱۰ ہجری میں۔ سن ۹ ہجری میں حج فرض ہوا۔ مکی زندگی میں حضور علیہ السلام نے کتنے حج کئے اس بارے میں روایات مختلف ہیں ایک حج کی بھی، دو حج کی بھی، اور متعدد کی بھی، مگر علامہ زرقانی (شرح مواہب لدنیہ میں) کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مکی زندگی میں کبھی حج ترک نہیں کیا اس لئے قریش اسلام سے پہلے بھی دورِ جاہلیت میں حج ترک نہیں کرتے تھے۔ (انسان العیون للحلبی)

کے سورۃ المائدہ، آیت ۳

بہرحال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ مدینہ سے نکل کر تمام اطراف واکناف میں جہاں جہاں مسلمان آباد تھے یہ خبر پھیل گئی کہ آپؐ حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے، روانگی سے پہلے ایک لاکھ کا مجمع ہو گیا۔ ل مدینہ سے روانگی ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو ہوئی۔ تمام ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں راستے میں لوگ اس کاروانِ خیر میں شامل ہوتے گئے یمن وسعادت اور بہترین امت کا یہ قافلہ سید المرسلین کی سربراہی میں جب مکہ پہنچا تو تعداد کم وبیش سوا لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ قربانی کے کچھ جانور حضور علیہ السلام نے ساتھ لئے۔ اور کچھ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ یمن سے لے کر آئے، حضور علیہ السلام کی خاص سواری کا نام "قصواء" تھا۔ (۲)

ل: مورخ قسطلانی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو نوے ہزار سے ایک لاکھ تیرہ ہزار تک توحید پرست آپ کے ہمراہ تھے، بعض روایات کے مطابق ۲۴ ذی قعدہ کو روانگی ہوئی۔ علامہ ابن حزم اندلسی نے اس بارے میں کافی تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو جمعرات کا دن تھا اور ذی قعدہ کی ۲۴ تاریخ تھی، مہینہ تیس دن کا ہوا ہے اور آخری دن منگل کا دن تھا۔ بدھ کو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہوئی تھی حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی اگرچہ ۲۵ ذی قعدہ کو ہوئی تھی مگر وہ جمعرات کا دن نہیں تھا۔ بلکہ شنبہ کا دن تھا۔ ذی قعدہ کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوا تھا اور بدھ کو ذی الحجہ کا چاند ہو گیا تھا"۔
اکثر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ روانگی ۲۵ ذی قعدہ کو ہوئی مگر دن شنبہ کا تھا جمعرات نہ تھی۔
("حجۃ النبی" احمد عبد الغفور عطار، حجۃ الوداع" مولانا محمد زکریا کاندھلوی)

(۲) اگلے صفحہ پر

مدینہ سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر "ذوالحلیفہ" میں ایک رات قیام کیا، صبح غسل کرکے دو رکعت نماز ادا کی پھر لوگوں کو تعلیم دینے اور سکھانے کی خاطر اونٹنی پر چڑھ کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ ترانۂ تقدیس پڑھا۔

لبّیك اللّٰهم لبّیك، لبّیك لاشریك لك لبّیك
انّ الحمد والنّعمة لك والملك لاشریك
لك (سلہ)

اے اللہ! میں تیرے حضور حاضر ہوں، تیرے حضور حاضر ہوں، تیرے در پہ، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریف

حاشیہ گزشتہ صفحہ

یہ وہی اونٹنی تھی جسے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اور آپ نے ان سے یہ اونٹنی خرید لی تھی سفرِ ہجرت اسی اونٹنی پر سوار ہو کر کیا تھا اب اس کو سعادت ملی کہ سرکارِ دو عالم نے اس پر سوار ہو کر اپنی زندگی کا آخری حج کیا اور اسی پہ سوار ہو کر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس نے حقوق انسانی کے عالم گیر منشور کی حیثیت اختیار کی۔

سلہ: تلبیہ، جاہلی دور میں بھی رائج تھا اس کو مناسکِ حج میں شمار کرتے تھے، بعض قبائل کے تلبیے شرک سے پاک تھے مثلاً قبیلہ اوس اور خزرج کا تلبیہ یہ تھا۔

لبّیك حجا حقا
تعبّدا ورقا
جئناك للنصاحة
ولم نأت للرفاحة

اس میں تاکید ہے کہ ہم خالص اللہ کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں دنیا ہمارا مقصود و منشا نہیں ہے۔
نصاحہ: اخلاص، رفاحہ، تجارت

اور شکر تیرے ہی لئے ہے، ملک (و اقتدار) تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

اس ترانۂ تقدیس کو حضور علیہ السلام کے ساتھ تمام صحابہ نے بلند آواز سے دہرایا، ہر بلندی پر چڑھتے، ہر وادی میں اترتے اور ہر موڑ مڑتے وقت بلند آواز سے تین تین بار تکبیر کہتے، تمام راستے اسی تلبیہ کو دہراتے رہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے تلبیہ پڑھا تو جبرئیل امین تشریف لائے، اور انہوں نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ: آپ لوگوں کو حکم دیجئے کہ وہ تلبیہ کہتے وقت اپنی آوازوں کو بلند کریں (۱)

مکہ مکرمہ میں داخلہ

ذوالحجہ کی چار تاریخ تھی، اتوار کا دن تھا، صبح کے وقت حضور علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے آپ مکہ میں اسی طرح بالائی سمت سے داخل ہوئے جیسے فتح مکہ کے دن فاتحانہ بالائی سمت سے داخل ہوئے تھے۔

جب بیت اللہ پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہا اور پھر دعا مانگی،

اللّٰھم انت السلام ومنك السلام، فحینا ربّنا بالسلام

اللّٰھم زد ھٰذا البیت تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابةً (۲)

اے اللہ: تو سلامتی ہے تجھی سے سلامتی ہے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ، اے اللہ: تو اس گھر کے عزت و شرف اور کرامت میں زیادتی عطا فرما۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہیں کی کیونکہ مسجد حرام

---

(۱) حجۃ الوداع۔ لابن حزم۔ ص: ۴۶۔ طبع دمشق

(۲) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج: ۵، ص: ۱۵۲ طبع مصر ۱۹۳۲ء

کا تحیہ، طواف ہے۔ آپؐ نے بلا تاخیر حجر اسود کو اپنے دستِ مبارک سے چھوا، اور بوسہ دیا اور وہیں سے طواف کی ابتدا کی اور اسی جگہ پر طواف ختم کیا۔

اس کے بعد مقام ابراہیم پر پہنچ کر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور یہ آیت پڑھی۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ (۱)

پھر کوہِ صفا اور مروہ پر چڑھے اور یہ آیت تلاوت کی۔

انّ الصّفا والمروۃ من شعآئر اللہ (۲)

یہاں سے بیت اللہ نظر آیا تو ترانۂ تحمید بلند فرمایا۔

لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کلّ شیٔ قدیر، لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ، انجز وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے تمام تعریف اسی کے لئے ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اسی نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے (محمدؐ) کی مدد کی اور (دشمن) کے لشکروں کو تنہا شکست دی۔"

جن لوگوں کے ساتھ قربانی نہ تھی ان کو حلال ہونے کا حکم دیا اور خود قربانی کے ساتھ ہونے کے باعث احرام باندھے رہے، ۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام فرمایا، ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں تشریف لائے وہاں مقام نمرہ میں حضور علیہ السلام کے لئے ٹھہرنے کی جگہ (قبہ) بنائی

---

(۱) سورۃ البقرہ، آیت: ۱۲۵

(۲) سورۃ البقرہ، آیت: ۱۵۸

گئی تھی وہاں قیام فرمایا۔ دن ڈھلے حضور علیہ السلام اپنی اونٹنی (قصواء) پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور سوار ہونے کی حالت ہی میں وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، جسے خطبۂ "حجتہ الوداع" کہا جاتا ہے۔

خطبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بمقامِ عرفہ

عرفہ کے میدان میں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس پہلے اپنی امت کو جو پیغام دیا تھا آج ہم اسی کو دہرانے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ پیغام ایک خطاب کی صورت میں تھا جسے ہم "خطبۂ حجۃ الوداع" کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ خطبہ اپنی زندگی کے آخری حج کے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

بلاشبہ یہ خطبہ، انسانی تہذیب و تمدن کے اصول حقوقِ انسانی کے تحفظ، عالمی امن کی تدبیروں بھائی چارے اور رواداری کے طریقوں، عدل و انصاف کی تجویزوں اور اخوت و مساوات کی ہدایتوں کا ایک جامع اور شافی منشور اور مجموعہ ہے۔

وقت اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے وضع کردہ قوانین، منشور اور اصلاحات بے اثر اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔ حالات و واقعات کا تغیّر ان میں شکست و ریخت کرتا رہتا ہے اور بہتر سے بہتر قانون اور منشور خود اس کے بنانے والوں کو ایک روز بے فائدہ نظر آنے لگتا ہے تاریخ میں اس بات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

موجودہ صدی پر ایک نظر ڈالیئے بظاہر ہر طرف تہذیب و تمدن کی روشنی ہے علم و دانش کی فراوانی ہے ہر روز ہمارے کان "حقوقِ انسانی، عالمی امن، بین الاقوامی، رواداری اور قانون کی بالادستی" جیسے خوبصورت اور تسلی بخش الفاظ اور اصطلاحات سنتے ہیں، یہ الفاظ

ان اصول، ضابطوں اور قوانین کے حوالے سے ہمارے سامنے آتے ہیں، جن کی وضع و تدوین میں دنیا کی مختلف قوموں کے بے شمار اعلیٰ دماغوں نے حصہ لیا ہے میری مراد حقوقِ انسانی کے اس منشور سے ہے جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے آج سے ۳۵ برس پہلے ۱۹۴۸ء میں "عالمی اعلانِ حقوقِ انسانی کا نام" دے کر منظور کیا تھا۔

یہ اعلان تیس آرٹیکل پر مشتمل ہے اس میں سے صرف بارہ آرٹیکل حقوقِ انسانی سے متعلق ہیں۔

لوگ اس کا نام سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کا ہم پر یا دنیا پر بڑا احسان ہے مگر شاید انہیں یہ معلوم نہیں ہے، کہ یہ محض ایک اعلان ہے ماہرین کی رائے میں اس کی کسی قانونی حیثیت نہیں، یہ ایسا ایسا واعظ ہے جو کمزوروں کو سنایا جاتا ہے اس کے بنانے والوں کو کبھی اس پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ کوریا، ویٹ نام، شرقِ وسطیٰ اور خود ہمارا علاقہ (پاک و ہند) اس حقیقت کا بہت بڑا گواہ ہے۔

لیکن آج سے چودہ سو برس پہلے جب دنیا میں کسی نے ان اصطلاحات اور نظریات کا نام تک نہیں سنا تھا، جب لوگ، امن و امان، رواداری اور اخوت و مساوات جیسی تعبیروں سے ناآشنا تھے، دنیا ایک تاریک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ ان حالات میں ایک محسنِ انسانیت آیا، اس نے ۲۳ برس میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی اس نے دنیا کو امن و سلامتی اخوت و مساوات، اور رواداری و ہمدردی کا ایسا درس دیا جو کروڑوں انسانوں کے لئے پیغام شفا بن گیا۔ اس کی یہ آواز مشرق و مغرب کی وسعتوں میں پھیل گئی پھر اس محسنِ انسانیت اور فخرِ دو عالم کے پیروکاروں نے اپنے عمل سے دنیا کو بتایا کہ امن کیا ہے اسلامتی کسے کہتے ہیں اور باہمی رواداری و ہمدردی کیسے کی جاتی ہے۔

اس موقعہ پر ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے اس کی طرف کم لوگوں نے توجہ دی ہے وہ یہ کہ جس وقت سید المرسلین اس تاریخی خطبہ کے لئے تشریف لاتے ہیں، اس وقت ایک آزاد شدہ غلام حضرت

بلال حبشی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے ہیں اور جب خطبہ کا آغاز ہوا تو ایک اور آزاد شدہ غلام حضرت اسامہ آپؐ کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے سر پہ سایہ کئے کھڑے ہیں اس تاریخی دن اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور کبارِ صحابہ کی موجودگی کے باوجود کل کے غلاموں اور نو عمر لوگوں کو یہ قرب عطا کرکے حقوق انسانی کے علمبردار، اپنے اسوۂ حسنہ سے اس اعلیٰ اور ارفع دعوے کا عملی ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں، جس کے اعلان کے لئے انہوں نے ایک لاکھ سے زائد لوگوں کو جمع کیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے نو ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں جو خطبہ ارشاد فرمایا (اس کا متن اردو ترجمہ اور شرح کے ساتھ پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں) وہ اگرچہ فصاحت و بلاغت کے اس درجے پر ہے کہ کسی بھی دوسری زبان میں اس کو اسی جامعیت کے ساتھ جیسا کہ وہ ہے منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ مگر بہر حال امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ اس عظیم خطبہ کے مندرجات صحیح طور پہ ناظرین تک پہنچ جائیں اور اس میں جو تفصیلات پنہاں ہیں وہ پورے طور پر نہ سہی لیکن کم از کم اس کی بنیادی باتیں ضبط تحریر میں آجائیں۔ اللہ ہی ہر نیک کام کی توفیق بخشنے والا ہے اور وہی بہترین معین و مددگار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونتوب الیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کلّ شیٔ قدیر، لا الٰہ الّا اللہ وحدہ انجز وعدہٗ ونصر عبدہٗ و

هزم الاحزاب وحدہٗ۔

ایّہا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری وایاکم ان نجتمع فی هذا المجلس ولا احج بعد عامی هذا، ایّہا الناس، ان اللہ یقول: یاایّہا الناس انا خلقنٰکم من ذکروانثٰی وجعلنٰکم شعوبًا وقبآئل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم فلیس لعربی علی عجمی فضل، ولا لعجمی علی عربیّ، ولا لاسود علیٰ ابیض و لا لابیض علیٰ اسود فضل الا بالتقوٰی، الناس من اٰدم واٰدم من تراب، الاکل مأثرة او دم او مال یدعی بہ فھو تحت قدمی ھاتین الّا سدانة البیت وسقایة الحاج، ثم قال یا معشر قریش لا تجیئوا بالدنیا تحملونہا علیٰ رقابکم ویجیٔ النّاس بالاٰخرة فلا اغنی عنکم من اللہ شیئًا۔

الا کل شیٔ من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع، ودمآء الجاهلیة موضوعة، وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعة ابن الحارث وکان مسترضعا فی بنی سعد۔

وربا الجاهلیة موضوع واول ربا اضع ربانا، ربا عباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ۔

ایہا الناس، انّ دمآئکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام الیٰ اَن تلقوا ربّکم کحرمة یومکم ھٰذا وکحرمة شہرکم ھذا فی بلدکم ھذا وانکم ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم۔

ایہا الناس، ان لکم علیٰ نسآءکم حقّا، ولہن علیکم حقًا، لکم علیہنّ اَلّا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہٗ وعلیہن اَن لایاْتین بفاحشة مبیّنة فان فعلن فان اللہ قد اذن لکم ان تہجروھن فی المضاجع وَ اَن

تضربوا ضربًا غیر مبرح فان انتھین فلھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف

الا لا یحل لامرأۃ ان تعطی من مال زوجھا شیئًا الّا باذنہ

واستوصوا بالنّساء خیرًا فانھن عوان لکم لا یملکن لانفسھن شیئًا

فاتّقوا اللّٰہ فی النّساء فانّکم اخذتموھن بامان اللّٰہ واستحللتم فروجھن بکلمات اللّٰہ۔

ایھا الناس، ان اللّٰہ عزّ وجلّ قد اعطیٰ کلّ ذی حقّ حقّہ فلا وصیّۃ لوارث۔

الولد للفراش وللعاھر الحجر، وحسابھم علی اللّٰہ۔

من ادّعیٰ الی غیر ابیہ اوانتمیٰ الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ

الدّین مقضیٌ، والعاریۃ مرداۃ، والمنحۃ مردودۃ ، والزعیم غارمٌ۔

الا لا یجنی جان الا علیٰ نفسہ، الا لا یجنی جان علیٰ ولدہٖ و لا مولودٌ علیٰ والدہٖ۔

ولا یحل لامرءٍ من اخیہ الا ما اعطیٰ عن طیب نفس منہ فلا تظلمن انفسکم۔

اَیّھا النّاس، کل مسلم اخو المسلم، وان المسلمین اخوۃ، ارقائکم ارقائکم، اَطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون۔

الا فلا ترجعوا بعدی کفّارًا یضرب بعضکم رقاب بعض

فمن کانت عندہ امانۃ فلیؤدھا الیٰ من ائتمنہٗ علیھا۔

ان اُمّر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوالہ واطیعوا۔

ایّھا النّاس، انّہ لانبیّ بعدی ولا امّۃ بعدکم

وانّی قد ترکت فیکم مالن تضلّوا بعدہٗ ابدًا ان اعتصمتم بہٖ کتاب اللّٰہ، وایاکم والغلوّ فی الدین فانما اھلکَ مَن قبلکم الغلو فی الدین۔

وانّ الشیطٰن قد یئس من ان یعبد فی ارضکم ھذا ابدًا ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فیرضٰی بہٖ فاحذروہ علٰی دینکم۔

فاعبدوا ربّکم، وصلّوا خمسکم، وصوموا شھرکم وادّوا زکٰوۃ اموالکم طیبۃ بِھا اَنفسکم، وتحجّوا بیت ربّکم، واطیعوا ولاۃ امرکم، تدخلوا جنّۃ ربّکم۔

ایّھا الناس، انّما النّسیٓءُ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلّونہ عامًا ویحرّمونہ عامًا لیواطِئُوا عدّۃ ما حرّم اللّٰہ فیحلّوا ما حرّم اللّٰہ ویحرّموا ما احلّ اللّٰہ، وان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السمٰوٰت والارض، وانّ عدّۃ الشھور عند اللّٰہ اثنی عشر شھرًا منھا اربعۃ حرم، ثلاثۃ متوالیۃ، و رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان۔

الا فلیبلغ الشاھد الغائب، فربّ مبلّغ اوعٰی من سامع، وانتم تسأکون عنّی، ماذا انتم قائلون؟ قالوا: نشھد انّکَ قد ادّیت الامانۃ، وبلّغت الرسالۃ ونصحت

فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم باصبعہ السّبابۃ یرفعھا الی السّماء وینکبھا الی النّاس، اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد۔

ترجمہ :۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد

لوگو : میری بات غور سے سنو، میرا خیال ہے کہ شائد اس سال کے بعد اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں اور نہ شائد اس سال کے بعد آئندہ حج کر سکوں۔

لوگو : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے لوگو :

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر، اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت اور برتری صرف پرہیزگاری کی بناء پر ہے۔

سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

خبردار : خون یا مال کا ہر وہ دعویٰ جس کے لوگ مدعی ہیں، وہ میرے قدموں تلے ہے رہیں اُسے باطل قرار دیتا ہوں) مگر بیت اللہ کی نگرانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حسبِ دستور رہے گی۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا : اے گروہ قریش :

قیامت کے روز ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے آؤ، اور لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں (یاد رکھو) اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

خبردار : زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون (خواہ وہ کسی کے بھی ہوں) سب معاف ہیں

(اب طرفین میں سے کوئی اس کا بدلہ نہیں لے گا)

میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون، جو کہ ربیعۃ بن الحارث کے بیٹے کا ہے معاف کرتا ہوں، واقعہ یہ تھا کہ عامر بن ربیعۃ نے بنی سعد سے کسی دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا جسے ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا، دورِ جاہلیت کا ہر سود معاف ہے (اس قانون کی ابتداء بھی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں) اور اپنے عم محترم عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں، ان کا سود سب کا سب معاف اور کالعدم ہے۔

لوگو: تمہارے خون (جانیں)، تمہارے اموال اور تمہاری عزت و آبرو قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت واجب ہے اور تم سب عنقریب اپنے پروردگار سے جا ملو گے جہاں تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو نیز ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں لیکن اگر وہ کریں تو تمہارے رب نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو، (اگر اس سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ انہیں ایسی ہلکی مار مارو جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں۔ اور اگر وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں تو حسب دستور ان کا کھانا اور کپڑا تمہارے ذمے ہے۔

خبردار! کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ہمیشہ پابند رہو کیوں کہ وہ تمہاری زیرِ نگرانی ہیں اور اس حیثیت میں نہیں کہ اپنے معاملات خود چلا سکیں، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کو اپنے لئے جائز و حلال کیا ہے،

لوگو ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے (میراث کا قانون نافذ کر کے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لئے اب کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز و نافذ نہیں،

بچے کا نسب اسی مرد سے ثابت ہو گا جس کی وہ بیوی ہے جس نے بدکاری کی اس کے لئے سزا ہے (بچہ اس کا نہیں کہلائے گا) اور ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہے۔

جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی یا کسی غلام نے اپنے کو کسی دوسرے مالک کی طرف منسوب کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔

قرض ادا کیا جائے گا، عاریت واپس کی جائے گی، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

خبردار : جرم کرنے والا خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔

کسی شخص کے لئے کسی بھائی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ دے، پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

لوگو ! (خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں۔ تم خود جو کچھ کھاتے ہو اُن کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی انہیں بھی پہناؤ۔

خبردار ! میرے بعد گمراہ (یا کافر) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو ٹھیک ٹھیک طریقہ سے لوٹا دے۔

اگر کوئی نکٹا، اور سیاہ فام حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔

اے لوگو ! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد اب کوئی نئی امت

نہیں ہے۔

میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ نعمت اللہ کی کتاب قرآن مجید اور میری سنت ہے۔

لوگو ! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔

اے لوگو ! اب شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین پر اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن عبادات کے سوا دوسرے معاملات میں اپنے پست افعال کے ذریعے اس کی فرمانبرداری کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا تم اپنے دین کو اس کے رشر سے بچا کر رکھنا۔

خبردار ! اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو، اپنے امراء کے حکم کی پیروی کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اے لوگو ! نسئی[1] کفر کی زیادتی کا سبب ہے، اس کے ذریعے کفار گمراہ ہوتے ہیں وہ ایک سال حرام مہینوں کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال انہی کو حرام قرار دے لیتے تھے تاکہ اس طرح حرام مہینوں کی گنتی پوری کریں، لیکن اب زمانہ اپنی اس ابتدائی حالت پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک ماہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔

---

(۱) زمانہ جاہلیت میں عرب، حلال و حرام مہینوں کو آگے پیچھے کر کے ان میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے اسے نسئی کہا جاتا تھا۔

خبردار ! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگ جن کو میرا پیغام پہنچے گا وہ ان لوگوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں گے جو اس وقت سننے والے ہیں۔

تم لوگوں سے میرے متعلق بھی پوچھا جائے گا، بتاؤ! تم میرے بارے میں کیا کہو گے ؟

حاضرین نے (یک زبان ہو کر) عرض کیا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے امانت کو (پوری طرح) ادا کر دیا۔ اللہ کا پیغام ہم تک یا لوگوں تک، پہنچا دیا، اور نصیحت کر دی۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے اللہ ـــــ تو گواہ رہنا

اے اللہ ـــــ تو گواہ رہنا

اے اللہ ـــــ تو گواہ رہنا

آپؐ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرماتے۔

اے اللہ ـــــ تو گواہ رہنا

اے اللہ ـــــ تو گواہ رہنا

ایّھا الناس اسمعوا قولی فانی لا أدری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا ۔ (printed as:) ایھا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادرینی وایاکم ان نجتمع

فی ھذا المجلس ولا احج بعد عامی ھذا۔

حضور علیہ السلام نے کلماتِ حمد و ثنا کے بعد اپنے خطاب کی ابتدا ایہا الناس یعنی اے لوگو: سے کی انسانوں میں آپؐ نے کوئی خطِ امتیاز نہیں کھینچا بلکہ پوری بنی نوعِ انسان کو خطاب کیا۔ قدیم زمانہ سے رنگ، نسل، زبان، قوم، اور وطن کا تعصب چلا آرہا تھا اور دنیا میں ہمیشہ فساد کا سبب بنتا تھا، لوگوں نے خود اپنے گرد چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچ لئے تھے اسلام ان دائروں کو مٹانے آیا تھا، بحیثیت انسان اس نے کوئی تفریق نہیں کی، بلکہ کہا، سب

لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، پیدائش کے اعتبار سے سب انسان برابر ہیں، ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے، طریقہ پیدائش ایک ہے سب کا نسب ایک باپ تک پہنچتا ہے باہمی فضیلت اور برتری کا معیار صرف پاکیزگی نفس ہے۔

لوگوں کو مخاطب کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا، میں جو کچھ کہنے والا ہوں اُسے غور سے سنو! کیوں کہ ممکن ہے آئندہ سال میں اور آپ اس مقام پر اکٹھے نہ ہو سکیں، اور جو بنیادی اور اہم باتیں میں آپ کو بلکہ پوری امتِ مسلمہ کو اور اس کے بعد ساری کائنات کو سنانے والا ہوں، نہ سنا سکوں اس لئے ضروری ہے کہ میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو۔

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ اب اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں، چنانچہ فقہائے صحابہ سمجھ گئے تھے کہ حضور علیہ السلام اب زیادہ دیر ہمارے درمیان نہ رہیں گے۔ جیسا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، اذا جاء نصر اللہ والفتح (لے آخر تک) تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سمجھ گئے کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اب حضور علیہ السلام تشریف لے جانے والے ہیں۔

ایّہا النّاس! اِنّ اللہ یقول: یا ایّہا النّاس انّا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثٰی وجعلنٰکم شعوباً و قبآئل لتعارفوا، انّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

یہ سورہ حجرات کی تیرھویں آیت ہے، اس سے پہلی آیات میں انسانی اور اسلامی حقوق اور آداب معاشرت کی تعلیم کے سلسلہ میں چھ ایسی باتوں کو حرام و ممنوع قرار دیا تھا جو باہمی نفرت اور فتنہ و فساد کا سبب بنتی ہیں۔ اس آیت میں انسانی مساوات کی ایک جامع تعلیم ہے کہ کوئی شخص نسب، خاندان، یا مال و دولت کی بناء پر کسی دوسرے کو حقیر و کم تر نہ سمجھے یہ چیزیں حقیقت

لے ۔ سورہ نمبر ۱۱۰

یں فخر کی نہیں، اس سے تو باہمی نفرت و عداوت کی بنیادیں پڑتی ہیں۔

اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین بنیادی حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا۔

۱ :۔ تم سب کی نسل ایک ہے، دنیا میں جتنی نسلیں پائی جاتی ہیں وہ سب ایک ماں باپ سے شروع ہوتی ہیں، تمہارا خالق ایک، مادۂ تخلیق ایک، طریقِ تخلیق ایک،

۲ :۔ اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونا ایک فطری عمل ہے ظاہر ہے پوری دنیا ایک خاندان پر مشتمل نہیں ہو سکتی، جتنا نسلِ انسانی پھیلے گی اتنے ہی خاندان اور قبیلے وجود میں آئیں گے، مختلف خطوں اور علاقوں میں رہنے کے باعث، رنگ، روپ، زبان اور طرزِ بود و باش کا اختلاف ضروری ہے۔ مگر اس فرق اور اختلاف کو باہمی اونچ نیچ اور کم تر و برتر کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ شناخت اور تعارف ممکن ہو۔

۳ :۔ انسان اور باہم انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی اگر کوئی بنیاد ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے اصل چیز جس سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے اس کے اوامر اور نواہی کی زیادہ تعمیل کرنے والا ہے برائیوں سے بچنے والا اور نیکی و پاکیزگی کی راہ کو اپنانے والا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ السلام نے طواف کعبہ کے بعد فرمایا تھا۔

یا ایھا النّاس، الناس رجلان، برٌّ تقیٌّ کریم علی اللہ تعالیٰ، وفاجرٌ شقیٌّ ھیّنٌ علی اللہ، الناس کلھم بنو آدم وخلق اللہ آدم من تراب (۱)

(اے لوگو: انسان تو صرف دو ہی حصوں میں تقسیم ہیں، ایک نیک اور پرہیزگار، جو اللہ کی

---

(۱) :۔ السنن الکبریٰ، بیہقی (باب شعب الایمان)

نظر میں عزت والا ہے دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل و حقیر ہے ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں. اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے)

ایک اور موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا.

ان اللہ لا یسئلکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیٰمۃ انّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"

(قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کے بارے میں نہیں پوچھے گا. اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک محدود نہیں رہیں، بلکہ اسلام نے ان کے مطابق عملاً اہلِ ایمان کی ایک عالمی برادری قائم کر کے دکھا دی، جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں ہے، جس میں اونچ نیچ، چھوت چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں اس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل، ملک اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے مالک بن جاتے ہیں اسلام کے بدترین مخالفوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی اور نظام میں نہیں ملتی. صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک اُمت بنا دیا.

فلیس لعربیٍّ علیٰ عجمی فضل ولا لعجمی علیٰ عربیٍّ، ولا لاسود علیٰ ابیض، ولا لابیض علیٰ اسود فضل الّا بالتقویٰ۔

اس سے پہلے حضور علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں جو قرآنی آیت پڑھی تھی: "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" یہ جملہ درحقیقت اسی قرآنی ارشاد کی مزید وضاحت و تشریح ہے اس میں بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرما رہے ہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر محض اس لئے کوئی فضیلت نہیں کہ وہ عربی ہے، شاید حضورؐ نے یہ وضاحت اس لئے فرمائی کہ عرب کیوں کہ وحی الٰہی

یعنی قرآن حکیم کے اولین مخاطب تھے اور حضورؐ کی بعثت بھی عرب میں ہوئی اس بنا پر عرب کے لوگ غیر عرب پر اپنے آپ کو فائق و برتر نہ سمجھنے لگیں حضور علیہ السلام نے اس تصور کی بیخ کنی کی۔ اور وضاحت فرمادی کہ عرب ہونا بھی کسی کے لئے مدارِ فضیلت نہیں ہے۔

جیسے کسی شخص کو عربی ہونے کے ناطے عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، اسی طرح کسی کالے کو گورے پر، یا گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں،

آج ہم دیکھتے ہیں کہ کروڑوں انسانوں کو انسان ہوتے ہوئے بھی انسانی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے، صرف اس لئے کہ وہ رنگ دار اور کالے ہیں وہ قومیں جو آج کی ترقی یافتہ صدی میں انسانی حقوق کی بڑی شد و مد سے علمبردار ہیں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے انہوں نے بڑی بڑی تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں وہ بھی رنگ دار انسانوں کو درجہ اول کا شہری تک تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ ان کا عمل اس سے بھی بدتر ہے، ایک ملک کے شہری اور ایک مذہب کے پیروکار ہوتے ہوئے بھی ان میں درجہ بندی ہے، کالا گورے کے ساتھ نہ پڑھ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے اور نہ عبادت کر سکتا ہے۔

حقوق انسانی کے تحفظ کا جو سب سے بڑا ادارہ ہے "اقوام متحدہ" اس کے تیار کردہ "عالمی اعلانِ حقوق انسانی" کے آرٹیکل نمبر ایک میں صرف اتنا کہا گیا ہے۔

" عام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور اپنے رتبے اور حقوق میں مساوی ہیں۔"

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس شق میں کس قدر اجمال و ابہام ہے اس کے الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ وعظ کی سی زبان ہے اس میں تحفظ اور عمل کا کوئی پہلو نہیں ہے اور بلا شبہ عملاً ایسا ہی ہے مگر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ منشور میں مساوات انسانی کے بارے میں کتنی وضاحت اور تفصیل ہے ابہام کا کوئی پہلو باقی نہیں چھوڑا، اور پھر خود ان کے عمل، اور ان کے بعد ان کے خلفاء کے عمل نے پوری دنیا کو دکھا دیا کہ یہ ایسا وعظ اور نظریہ نہیں تھا جو صرف دوسروں کے لئے ہو۔ بلکہ دوسروں کو سنانے سے پہلے پیش کرنے والے نے اس پر عمل کیا۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا کہ عزیز و اقارب اور کبار صحابہ کے ہوتے ہوئے بھی دو غلاموں کو اپنے قرب کا اعزاز بخشا، تاکہ

لوگ دیکھ لیں کہ عالم گیر اور ہمہ گیر پیغامِ رشد و ہدایت کا داعی جو کچھ کہہ رہا ہے اس سے پہلے اس پر عمل کر کے دکھا رہا ہے۔

ایک بار نبی کریم علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا۔ تم اس بنیاد پر باعث عزت و تکریم نہیں ہو سکتے کہ سرخ ہو یا کالے ہو، فضیلت صرف کردار کی خوبی اور عمدگی سے ملتی ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر دین ثریا پر بھی ہو (یعنی عام پہنچ سے بلند ہو) تو بھی فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لیں۔"

حضور علیہ السلام کے دور میں حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ کو جو درجہ ملا تاریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں، پھر تابعین میں امام حسن بصری، ابن سیرین، ابوحنیفہ اور عکرمہ نے جو رتبہ پایا وہ کسی بھی وضاحت کا محتاج نہیں، روم، ترک، ایران، افریقہ اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے اسلام کی کس قدر خدمت کی، اور آج بھی کر رہے ہیں وہ بلاشبہ ہماری تاریخ کا سنہرا باب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے نسل، زبان اور وطن کی بنیاد پر قومیت کے تصور کا جتنی سختی سے رد بلکہ نفی کی ہے دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کی۔ قرآن کا ارشاد واضح ہے۔

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون" (لہ)

(پھر جب صور پھونکا جائیگا تو نہ ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت و مغفرت اور فضل و کرم کا وعدہ کسی خاص نسل اور نسب کے لوگوں سے نہیں کیا بلکہ صرف ان لوگوں سے کیا ہے جو نیک اعمال بجالاتے ہیں اس کے اور اس کے پیغمبر کے حکموں کی پیروی کرتے ہیں۔

وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوٰت

لہ: المؤمنون، آیۃ ۱۰۱

والارض أعدّت للمتّقين الّذين ينفقون فی السّرّآء والضّرّآء
والكاظمين الغيظ والعافين عن النّاس والله يحبّ المحسنين (ل)

"اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو، جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اور جو خدا سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال خدا کی راہ میں، خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے"

اللہ نے اپنی رحمت، مغفرت اور جنت کی لازوال نعمتوں کا وعدہ ان لوگوں سے کیا ہے جو نیک اور پسندیدہ صفات کے حامل ہیں اور اللہ کی نظر میں پرہیزگار ہیں۔

"الا كلّ شيءٍ من امر الجاهليّة تحت قدمی موضوع، ودماء الجاهليّة موضوعة"

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک میں جاہلی رسم و رواج کا ابطال ہے، معاملات کی جاہلیت کی طرف نسبت کرنے میں برائی اور عیب کی طرف اشارہ ہے۔ انسان جہالت اور نا فہمی سے جو کام کرتا ہے وہ عام طور پر غلط ہوتا ہے جیسے حضورؐ نے فرمایا کہ خاندان، قبیلہ اور نسب وغیرہ پر فخر کرنا جاہلی امور ہیں۔ اور اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں، آج کے بعد میں انہیں باطل قرار دیتا ہوں، اسی طرح دور جاہلی کے تمام سودی لین دین میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں آج کے بعد تمام معاملے اور معاہدے کالعدم ہیں۔

حضور علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی معاملات کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ کیوں کہ ایک رسولؐ کے شایانِ شان یہی بات ہے کہ لوگوں کو جس برائی سے منع کرے پہلے خود اس سے رک جائے اور جس بھلائی کا دوسروں کو حکم دے اس سے پہلے خود اسے اپنائے، تبلیغ و تلقین کا یہ سب سے مؤثر طریقہ ہے یہاں بھی نبی علیہ السلام نے

ل : آل عمران ، ۱۳۳

پہل کر کے دوسروں کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کیا۔

سود قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کی رو سے قطعاً حرام ہے۔ قرآن کا اعلان ہے۔" احل الله البیع وحرّم الرّبٰو" (۱)

(اللہ نے خرید و فروخت کو جائز رکھا سود کو حرام قرار دیا) سود لینے والوں کو قرآن برے اور ہولناک انجام کی خبر سناتا ہے۔"

الّذین یأکلون الرّبٰو لا یقومون الّا کما یقوم الّذی یتخبّطه الشیطٰن من المسّ۔ (۲)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا)

دینی نقصان کے علاوہ سود کی جو معاشی خرابیاں ظاہر ہو چکی ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں، چند لوگوں (سرمایہ داروں)، کو اس میں ظاہری فائدہ نظر آتا ہے مگر اللہ جو قانون اور احکام نازل کرتے ہیں وہ چند افراد کے فائدے کے لئے نہیں ہوتے، ان میں پوری نوع انسانی کی حقیقی مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔

ایّھا الناس انّ دمآءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرامٌ الٰی ان تلقوا ربّکم کحرمة یومکم ھذا وکحرمة شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا، وانکم ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم۔

اس فقرہ میں حضور علیہ السلام نے تین چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا، جان، مال اور آبرو یعنی مومن کی جان، مال اور آبرو ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے تم اس دن (عرفہ کے)، کو اس مہینہ (ذی الحجہ)

---

۱ :۔ سورۃ البقرہ، آیۃ : ۲۷۵

۲ :۔ سورۃ البقرہ، آیۃ : ۲۷۵

کو، اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کو قابل احترام سمجھتے ہو۔

مومن کی جان و مال اور عزت و آبرو اسلام کی نظر میں کس درجہ محترم ہے اس کا ثبوت قرآن کریم اور بہت سے اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، مقام تبوک (رجب ۹ ہجری) میں حضور (علیہ السلام) نے خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں بھی اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر، واكل لحمه من معصية الله، و
حرمة ماله كحرمة دمه"

"یعنی کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اس سے جھگڑا کرنا کفر ہے، اس کا گوشت کھانا، یعنی اس کی غیبت کرنا، اللہ کی نافرمانی ہے، اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون (جان) کی حرمت کے برابر ہے (یعنی بغیر حق کے کسی مومن کو قتل کرنا کسی صورت جائز نہیں، اور اسی طرح بغیر حق کے اس کا مال لینا بھی جائز نہیں)

نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا، ایک ایک خون کا بدلہ لینے کے لئے قبیلوں اور خاندانوں میں برسوں قتل و قتال جاری رہتا تھا جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو خون کے رشتوں سے بڑھ کر ایک اور رشتہ لائے وہ دین کا رشتہ تھا جس نے دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا، اسلامی بھائی چارے کا ایک ایسا جذبہ پیدا کیا کہ ہر قسم کی عداوتیں ختم ہو گئیں، قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداءً فالف بين قلوبكم
فاصبحتم بنعمته اخوانا۔ (لہ)

"تم اپنے اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم بھائی بھائی بن گئے"۔

لہ: سورۂ آل عمران، آیۃ: ۱۰۳

اس باہمی اتحاد و اتفاق کو قرآن ملتِ اسلامیہ کی عمارت کا ستون قرار دیتا ہے، اللہ کی نظر میں مسلمانوں کی اتنی عزت ہے کہ وہ اس امر سے بھی منع فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی بات کی جائے جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچے اس کے وقار پر حرف آئے۔ سورہ حجرات میں مسلمانوں کو جو تلقین کی گئی بلکہ حکم دیا گیا، اس کا تعلق خالصتاً مسلمانوں کی عزت و وقار سے ہے کیوں کہ یہ تمام اخلاقی برائیاں اگر ایک طرف اس شخص کی توہین کا ذریعہ بنتی ہیں جس کے بارے میں ان کا اظہار ہو رہا ہے تو دوسری طرف نتیجۃً خود کہنے والا بھی معاشرہ کی نگاہ میں بے وقار ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے۔

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں (اگر کسی وقت کوئی بدمزگی ہو تو) اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔" ۱

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا نام برا رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کرے، وہ
ظالم ہے۔ (۲) ۲

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا کھوج مت لگایا کرو، نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تم ضرور نفرت کرو گے (تو ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو) اور خدا سے ڈرتے رہو، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا ہے، اور
مہربان ہے۔ (۳) ۳

کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے پڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔

---

(۲): سورۃ الحجرات، آیۃ: ۱۰ (۳) ایضاً۔ آیۃ: ۱۱

(۱): الحجرات، آیۃ: ۱۰، ۱۲

"کسی مسلمان کی آبرو کو پامال کرنا، بہت بڑا گناہ ہے"۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جس میں اس کی آبرو جانے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے اس سے بچانے کی کوشش کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"جو کوئی مسلمان، کسی مسلمان کو ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑے گا جہاں اس کی عزت و آبرو خطرے میں ہو، تو خدا بھی اس کو ایسے مواقع میں اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑے گا، اور جو شخص ایسے موقع پر کسی مسلمان کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائیں گے" [1]

مسلمان کی عزت و آبرو کے بعد، اس کے مال کا درجہ ہے، ایک اور روایت میں ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک مسلمان پر دوسرے کی جان، مال اور آبرو حرام ہے۔

ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

جو کوئی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے گا خدا اس کے لئے دوزخ کو واجب اور جنت کو حرام کر دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر کوئی بہت معمولی اور حقیر سی چیز ہو تب بھی، آپؐ نے فرمایا: خواہ درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو" [2]

کسی کا مال چوری کرنے کی کتنی کڑی سزا مقرر کی کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے،

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں جس طرح ایک مومن کی جان اور عزت و آبرو محترم ہے اسی طرح اس کا مال بھی محترم ہے بغیر حق کے اس میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں۔

قرآن، اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کرتا ہے۔

"مومنو: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا

۱۔ [1] : ابوداؤد، کتاب الادب

۲۔ [2] : بخاری، کتاب الادب

لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ حاصل کر لو تو کوئی حرج نہیں) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ (لے)

اور جو شخص ظلم اور زبردستی سے ایسا کرے گا (دوسرے کا مال بغیر حق کے کھائے گا) ہم اسکو عنقریب دوزخ میں داخل کریں گے اور ایسا کرنا خدا کے لئے آسان ہے۔ (لے)

مومن کی عزت و آبرو، اس کے مال سے بڑھ کر اس کی جان کا احترام ہے اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے گناہ کی سزا بھی دوزخ کا دائمی عذاب نہیں رکھی۔ قرآن کی وضاحت ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء (لتہ)

"یعنی اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے سوا دوسرے گناہ جن کو چاہے گا بخش دے گا۔"

مومن کے بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کی اللہ نے خبر دی ہے، مگر مومن کا ایک ایسا گناہ بتایا جس کی معافی نہ ہو گی اور جس پر اُسے دوزخ کے دائمی عذاب کا مستحق گردانا ہے، وہ ہے کسی مسلمان کو ناحق اور دیدہ دانستہ قتل کرنا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (لکہ)

"اور جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا خدا اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا ہی سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

لے: سورۃ النساء، آیۃ، ۲۹ (لے)، ایضاً۔ آیۃ، ۳۰

لتہ: ایضاً، آیۃ، ۴۸ (لکہ)، النساء، آیۃ: ۹۲

اسلام یہاں تک کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تب بھی کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے دعوے کو جھٹلائے ایک لڑائی میں ایک کافر ایک صحابی کی زد میں آگیا اس کافر نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ میں اسلام لایا، مگر ان صحابی نے سمجھا کہ اس نے جان بچانے کی خاطر ایسا کیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا، نبی علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان صحابی کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا! کہنے لگے، یا رسول اللہ: اس نے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا آپؐ نے فرمایا، تم اس کے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے؟ ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا، کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھا تھا! (۱)

ناحق کسی کو قتل کرنے اور ایک فرد کی جان لینے کو اسلام پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔

من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانّما
قتل النّاس جمیعًا (۲)

"یعنی جو شخص کسی کو ناحق قتل کر دے گا بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی اور فساد کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ناحق کسی کو قتل کرنے کی سزا اولاً قصاص ہے یعنی قاتل کو مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا دیت دوسرے درجے میں ہے۔"

پھر اسلام اس پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ انسان کا کوئی ایک عضو بھی اگر کوئی ضائع کر دے گا تو اس کے عوض اس کا وہی عضو ضائع کیا جائے گا تاکہ لوگوں کے لئے درسِ عبرت ہو، یہ نہیں کہ ایک شخص کی ناحق ناک کاٹ لی جائے، کان کاٹ دیا، دانت توڑ دیئے اور چند روپے دے کر چھوٹ گئے۔

۱: سیرۃ النبیؐ، شبلی، ج ۶ ص، ۳۳۳، ۳۳۴

۲: المائدہ، آیۃ: ۳۲

قرآن کا حکم ہے۔

"اور ہم نے ان لوگوں کے لئے توریت میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔" [1]

بلاخوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ انسانی جان کا احترام اسلام سے بڑھ کر دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا۔

جان و مال اور عزت و آبرو کو، دن، مہینے اور شہر کی حرمت سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل عرب ان تینوں کی حرمت کے قائل تھے، اور اس پر عمل بھی کرتے تھے ان تینوں کی حرمت کو پامال کرنا ان کی نظر میں بہت بڑا جرم تھا۔ اس تشبیہ سے وہ زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے تھے کہ انسان کے جان، مال اور آبرو کی حرمت کو نبی علیہ السلام کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔

ایّها النّاس انّ لکم علیٰ نسائکم حقّا ولهنّ علیکم حقّا۔"

اسلام سے پہلے جاہلی دور میں عورتوں کی قدر و منزلت نہ تھی، عورت ایک حقیر مخلوق سمجھی جاتی تھی، لیکن جب اسلام آیا تو اس نے عورت کا درجہ بلند کیا ہر حیثیت سے اس کے حقوق کا تعین کیا، وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا، گواہی کا حق عطا کیا۔ اور قانوناً مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، البتہ اخلاقی طور پر مردوں کو تھوڑی سی برتری دی گئی۔

ولهنّ مثل الّذی علیهنّ بالمعروف، وللرجال

---

[1] : سورۂ المائدہ، آیۃ ۴۵

علیھن درجۃ۔ (۱ے)

" اور دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر ایک گونہ فضیلت ہے، لیکن یہ فضیلت اور برتری بے وجہ نہیں، یہ اس لئے ہے کہ وہ عورتوں کی نگرانی اور نگہداشت کا فرض بخوبی انجام دے سکیں۔

حضور علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں عورتوں (بیویوں) کے حقوق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ عورت کے ذمہ شوہر کے کیا حقوق ہیں اور شوہر کے ذمہ عورت کے کیا حقوق ہیں۔

مختصر الفاظ میں عورت کے فرائض یہ ہیں کہ اپنے مردوں کی فرمانبردار رہیں، ان کے مال و دولت اور ملکیت کی، جن کی حفاظت ان کے ذمہ ہے، پوری طرح نگرانی کریں، شوہر کی عزت و آبرو کی، جو اُن کی بھی عزت و آبرو ہے حفاظت کریں، گویا عورت کے سہ گانہ فرائض ہوئے، اطاعت، سلیقہ مندی اور عصمت اور عفت، یہی تین اوصاف نیک بیویوں کے قرآن پاک بیان کرتا ہے۔

فالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حافظات للغیب بما حفظ اللہ (۲ے)

نیک بیویاں شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔ شوہر کے پیٹھ پیچھے شوہر کے مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

۱ے :۔ سورۃ البقرہ ، آیۃ ۲۲۸

۲ے :۔ سورۃ النساء آیۃ ۳۴

کوئی عقلمند آدمی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے معاملات میں عورت سے برتر ہے۔ کم و بیش ہر عورت پر ایک ایسا زمانہ گزرتا ہے جس میں وہ بہت سے کاموں کی انجام دہی سے قاصر ہو جاتی ہے بلکہ دوسروں کی امداد و اعانت کی محتاج ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"ضروری ہے کہ شوہر کو بیوی کا نگران و سرپرست بنایا جائے فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ مرد کو عورت پر غلبہ حاصل ہو، اس لئے کہ مرد عقل میں کامل، سیاست میں ماہر، مدد و نصرت میں مضبوط، اور ننگ و عار کو دور کرنے کی صلاحیت رکھنے والا ہے۔" (۱)

جدید تحقیقات نے بھی اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے جس کا اثر عقل و شعور پر پڑتا ہے۔ مصر کے معروف صاحبِ قلم لکھتے ہیں کہ:

"دماغ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بھاری ہے۔ مرد کے دماغ کا وزن اوسطاً ½ ۴۹ اوقیہ ہے جبکہ عورت کے دماغ کا وزن اوسطاً ۴۴ اوقیہ ہے۔ ۲۷۸ مردوں کے دماغ کا وزن کیا گیا تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ اوقیہ ثابت ہوا لیکن جب ۲۹۱ عورتوں کے دماغ کو تولا گیا تو سب سے وزنی ۵۴ اوقیہ کا اور سب سے کم وزن کا دماغ ۲۱ اوقیہ کا نکلا۔" (۲)

اور دماغوں کا یہ اختلاف کسی خاص علاقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، ہر جگہ ایسی ہی صورتِ حال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے گھریلو ریاست میں مرد کو عورت پر جو فضیلت دی ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مرد کو نیک، شریف اور معزز بنایا ہے، اور عورت کو بد، کمینہ اور ذلیل رکھا ہے۔ کیوں کہ یہ

---

(۱) معالم القرآن (مولانا محمد علی الصدیقی) ج: ۵، ص: ۱۸۶

(۲) المرأۃ المسلمۃ (فرید وجدی آفندی)

ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام کی نظر میں قربِ حق اور حسنِ عمل میں مرد و عورت کی حیثیت مساوی ہے۔ نماز روزہ، زکوٰۃ اور دیگر ارکانِ اسلام جس طرح مرد کے قبول ہوتے ہیں بالکل اسی طرح عورت کے بھی قبول ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے طبعاً مرد کو بعض ایسی صفات عطا کی ہیں جو عورت کو نہیں دی گئیں یا کم دی گئی ہیں۔ باپ اور بیٹا۔ انسان اور مرد ہونے کی حیثیت سے یکساں ہیں، اللہ کے نزدیک ان کے اچھے اعمال کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں لیکن قرآن ہی یہ نشان دہی کرتا ہے کہ باپ کو بیٹے پر باپ ہونے کی حیثیت سے ایک گونہ بالادستی اور فوقیت حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح معاشرتی ڈھانچے میں مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت اور برتری حاصل ہے، اس بنا پر مناسب یہی ہے کہ قوامیت یعنی نگرانی و سرپرستی کی ذمہ داری مرد ہی پر ڈالی جائے۔

ایک موقع پر ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے پوچھا: یارسول اللہ! بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟۔ فرمایا: "جو خود کھائے اُس کو بھی کھلائے، جو خود پہنے اُس کو بھی پہنائے۔ نہ اُس کے مُنہ پر تھپٹر مارے، نہ اُس کو بُرا بھلا کہے، اور نہ گھر کے علاوہ اس کی سزا کے لئے اس کو علیحدہ کرے"۔ (۱)

حضور علیہ السلام نے فرمایا: "خیارکم خیارکم نسائھم"۔ تم میں سب سے بہتر وہ مرد ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہیں۔ آپؐ نے بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا ایک بہت عمدہ نسخہ بتایا۔ فرمایا: اپنی بیوی میں کوئی بُرائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو، غور کرو گے تو اس میں کوئی اچھی بات بھی نکل آئے گی۔ (۲)

"فلھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف" اس فرمان سے بیوی کے نفقہ اور لباس کی ذمہ داری

---

(۱) ابنِ ماجہ۔ کتاب النکاح

(۲) مسلم، باب الوصیۃ بالنساء

کا شوہر پر وجوب ثابت ہے۔ رواج اور حیثیت کے مطابق، قرآن، سنت، اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے۔

"لا یحل لامرأۃ ان تعطی من مال زوجھا شیئاً الا باذنہ"۔ اس بارے میں پہلے گزر چکا کہ عورت، اپنے شوہر کے مال و دولت کی بھی امانت دار ہے، بیوی کو شوہر کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے لینے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب شوہر بیوی کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی بخل سے کام لیتا ہو، فتح مکہ کے روز ابو سفیان کی بیوی ھند نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا شوہر بخیل آدمی ہے۔ مجھے اور میری اولاد کو ضرورتوں سے بھی کم خرچ دیتا ہے۔ آپؐ نے ھند کو اجازت دی کہ ابو سفیان کی اجازت اور علم کے بغیر اس کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہو کہ تمہاری اور بچوں کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

"ان اللہ عز وجل قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارثٍ"۔

اسلام سے پہلے عرب اور عجم کی قوموں میں انسان کی صنف ضعیف یعنی عورت، اور بچے ہمیشہ ظلم و ستم کا شکار رہے۔ اول تو ان کا کوئی حق تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا، اور اگر تسلیم کر لیا جاتا تو مردوں سے اس کا وصول کرنا عملی طور پہ ممکن نہ تھا۔ اسلام نے معاشرے کے کمزور طبقے کو حقوق دلائے اور ان کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا۔

عربوں کے ہاں یہ اصول تھا کہ وراثت کا حق دار صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہے اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان سے مال و متاع چھین سکتا ہے، اس اصول کے تحت صرف جوان لڑکا ہی وارث ہو سکتا تھا۔ لڑکی مطلقاً وارث نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے اس اصول اور نظریے کی بیخ کنی کی، لڑکیوں، یتیموں اور بچوں کو بھی وراثت میں حق دلایا۔

"مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے، اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہر ایک کا حصہ مقرر کیا ہوا ہے (۱)

(۱) القرآن ۴ : ۷

قرآنِ حکیم کسی مسلمان کو ایسا تصرف اور وصیت کرنے سے روکتا ہے جس سے اولاد اور دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ نبی علیہ السلام نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اپنا پورا یا آدھا مال صدقہ کرنے سے روک دیا تھا، اور صرف ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دی تھی کیونکہ پورا مال یا آدھا مال صدقہ کرنے سے وارثوں کا حق مارا جاتا۔ (۱)

اسلام نے اس بات پر بہت زور دیا کہ کسی کمزور سے کمزور شخص کا بھی حق نہ مارا جائے۔ جس کا جو حق ہے وہ اس کو بغیر تردّد کے ادا کیا جانا چاہیئے۔

"الولد للفراش وللعاهر الحجر، وحسابهم على الله"۔ اگر کسی شادی شدہ عورت نے بدکاری کی اور اس سے بچّہ ہوا تو وہ بچّہ اس عورت کے شوہر کی طرف منسوب ہوگا۔ وہی اس کا قانونی اور شرعی باپ کہلائے گا۔ اور بدکار کے لئے ناکامی اور نامرادی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ دنیا میں وہ شرعی اور قانونی سزا کا مستحق ہوگا۔ اور دنیوی سزا کے بعد آخرت کا جو حساب کتاب ہے، وہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔

"من ادّعیٰ الی غیر ابیه او انتمیٰ الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله"

آج کل یہ مرض بہت عام ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے سید، صدیقی، قریشی اور فاروقی بن جاتے ہیں اور اپنا نسب بدل لیتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ اللہ نے ایسے لوگوں پر لعنت کی ہے۔

الا لا یجنی جان الّا علیٰ نفسه

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کوئی جرم کرتا ہے، اس کی سزا خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، خود اسی کو بھگتنا ہوگی۔ اس کی سزا کسی اور کو نہیں ملے گی، اور اس کا کوئی قریب ترین عزیز بھی اس جرم سے متاثر نہ ہوگا۔

---

(۱) مشکوٰۃ، باب الوصایا بحوالہ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج: ۲ ص: ۳۰۸، ۳۱۲

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (لہ)

(کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا)

یہ ایک اصولی حقیقت ہے، اور اللہ کا قانونِ عدل ہے جسے قرآنِ حکیم میں بار بار ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ کیونکہ اسے سمجھے بغیر انسان کا طرزِ عمل درست نہیں ہو سکتا۔ اس مختصر سے فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اور اپنے ہر معاملہ کا بذاتِ خود اللہ کے سامنے جواب دِہ ہے۔ خدا کی آخری عدالت میں جو کچھ بھی سزا ملے گی اس کے اپنے عمل کی ملے گی۔ اللہ کی میزانِ عدل میں یہ ممکن نہ ہوگا کہ دوسروں کے وبال کسی اور کی گردن میں ڈال دیئے جائیں۔

"ولا یحل لامرءٍ من اخیہ الّا ما اعطاہ عن طیب نفس منہ"

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اور اس ارشاد سے بھی یہی بتاتا ہے کہ مسلمان کا مال محترم ہے اس میں اس کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔ اس سے فرد کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اشتراکیت کا نظریہ باطل ہوتا ہے۔

کلّ مسلم اخو المسلم وانّ المسلمین اخوۃ۔ ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ دین کا رشتہ دوسرے تمام رشتوں سے فائق و برتر ہے۔ تمام رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ مگر دین کا رشتہ باقی رہتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے "انّما المومنون اخوۃٌ" سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بنیاد کی طرح ہے، جیسے ایک اینٹ دوسری کو تقویت پہنچاتی ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔

"ارقاءکم ارقاءکم، اطعموھم ممّا تاکلون واکسوھم مما تلبسون"

نسلِ انسانی کے کمزور اور ناتواں طبقوں میں ایک طبقہ غلاموں کا بھی ہے، جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، اس طبقہ کا وجود ہے۔ فاتح اور زبردست قوموں نے ہمیشہ مفتوح

(لہ) سورۃ بنی اسرائیل

قوم کے افراد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا، ان سے محنت و مشقت کے کام لئے۔ ہندوؤں میں اچھوت قومیں اسی کی یادگار ہیں ہندوستان کے علاوہ، مصر اور روم میں بھی یہی سلسلہ جاری تھا عربوں میں بھی اس طبقے کے ساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اسلام کمزوروں کی مدد اور حمایت کے لئے آیا تھا، نبوت سے پہلے نبی کریم علیہ السلام نے جس معاہدہ فضول (جسے حلف الفضول کہا جاتا ہے) میں شرکت کی تھی۔ اور جس کو نبوت کے بعد بھی پورا کرنا اپنا فرض جانتے تھے، وہ اسی غرض سے ہوا تھا کہ کمزوروں اور زبردستوں کی حمایت و حفاظت کی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں رئیسوں اور امیروں سے زیادہ کمزور، غلام اور زیردست پیش پیش تھے۔

اِسلام نے غلاموں کی آزادی، اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کو اپنی دعوت کا لازمی جزو بنالیا تھا۔ غلاموں کی آزادی کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا، سورۂ بلد مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں جن نیک کاموں کو "گھاٹی" کہا گیا ہے، ان میں کسی کی گردن سے غلامی کی رسّی کھولنا بھی ہے۔ غلامی کے بندھن سے نکالنے والے کو "اہلِ سعادت" کہا۔ مدینہ آکر اسلام نے اس عمل کا دائرہ وسیع کیا، اور مسلمانوں کی بہت سی فروگذاشتوں کا کفارہ "گردنوں کا آزاد کرنا" قرار دیا۔ ان ترغیبات سے غلاموں کی دُنیا ہی بدل گئی، حضرت حکیم بن حزام نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے سو غلام خرید کر آزاد کئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے صرف اپنی ایک قسم کے کفّارے میں چالیس غلاموں کو آزاد کیا، حضرت عثمان غنیؓ ہر جمعہ کو کم از کم ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی کی نعمت عطا کی۔ (۱)

نبی علیہ السلام نے اپنے آخری خطبہ میں بھی اس مظلوم طبقہ کو نظرانداز نہیں کیا، اور فرمایا تم جو کچھ خود کھاتے ہو وہی ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ۔ حضور علیہ السلام

---

(۱) سیرۃ النبی، شبلی۔ ج ۶، ص: ۳۱۳

نے اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ نے غلاموں کو جو رتبہ دیا، اور جس عزت سے انہیں ہمکنار کیا، وہ تاریخ کا ایک منفرد باب ہے اور انسانی مساوات کے نام نہاد دعویداروں کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔

الالا ترجعوا بعدی کفّارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ اس مقام پر لفظ کفارا کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ ۱۔ کافروں کی طرح نہ ہو جانا۔ ۲۔ ایک دوسرے کو کافر بنانے نہ لگ جانا۔ ۳۔ تم اپنے اعمال و افعال میں کافروں کی طرح نہ ہو جانا۔ ۴۔ کافروں کی طرح ہو کر مسلمانوں ہی کے خلاف جنگ و جدال شروع نہ کر دینا۔ اکثر علماء نے کہا کہ یہاں کفر حقیقی اور کفر معروف مراد نہیں، جیسا کہ حضور کے اس فرمان میں "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمانوں سے جھگڑا کرنا یا قتال کرنا کفر ہے، حالانکہ قرآن کی رو سے اگر دو مسلمان (فرد یا طبقے) آپس میں لڑیں تو ان میں سے کوئی بھی کافر نہیں۔ قرآن دونوں کو مسلمان کہتا ہے:

"وان طائفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما" (۱) یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں قتال اور جنگ و جدال کریں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ بلکہ اس مقام پر کفر سے امر منکر۔

"ان امّر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا لہ واطیعوا۔"

اس فرمان میں بھی انسانی مساوات کا بہت بڑا سبق ہے۔ یہاں بھی کسی امیر اور فرمانروا کی پیروی کو اس بات سے وابستہ کیا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق کاروبارِ حکومت چلائے۔ یہ نہیں کہا کہ اگر اعلیٰ نسب والا ہو تو اس کی پیروی کرنا۔ اور اگر کوئی غلام ہو یا غریب خاندان کا فرد ہو تو اس کی فرمانبرداری نہ کرنا۔

ایھا النّاس انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم۔ قرآن، حدیث اور اجماعِ اُمت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی

---

(۱) الحجرات، آیت، ۹:

نہیں آئے گا۔ اور جب حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں تو ظاہر ہے ان کی اُمت کے بعد بھی کوئی اُمت نہ ہوگی۔ وہ آخری نبی ہیں اور ان کی اُمت آخری اُمت ہے۔

ماکان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین لہٗ
یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں کے آخری ہیں، آپ کی اُمت کو صرف آخری اُمت قرار دیا گیا بلکہ بہترین کہا گیا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ۔ یعنی تم بہترین اُمت ہو، تمہیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو بُری باتوں سے روکو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہٗ ابداً ان اعتصمتم بہٖ کتاب اللّٰہ لہٗ۔ اس موقعہ پر حضور علیہ السلام نے صرف کتاب اللہ کا ذکر کیا سنّت کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ کتاب اللہ میں خود سنّت پر عمل کا بار بار حکم ہے۔ "ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا"۔ (رسول جو کچھ تمہارے پاس لے کر آئے اسے لے لو یعنی اس کی پیروی کرو۔ اور جس چیز سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔) جگہ جگہ اطیعوا اللہ کے ساتھ، اطیعوا الرسول کا بھی حکم ہے۔ اور قرآن نے واضح طور پر کہا کہ: رسول کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔

لہٗ قطعی دلیلوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت اور دینِ حق کو لے کر آئے ہیں۔ اور قرآن ساری کائنات کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نورِ ہدایت ہے، جو شخص اس کو مضبوطی سے پکڑے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا۔ اور جس نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اس نے اللہ کی رسّی کو چھوڑ دیا اور اس کے ہدایت یاب ہونے کی کوئی اُمید نہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے رہو۔

بعض راویوں نے کتاب اللہ کے ساتھ "سنّتِ نبیہ" کا لفظ بھی بڑھایا ہے۔ اور اس کے ساتھ فقرہ کے ابتدا میں کہا ہے: ترکت فیکم امرین۔ اور بعض روائتوں میں "ثقلین" کا لفظ ہے بہر حال اگر کتاب اللہ کے ساتھ اس مقام پر سنّت کا ذکر نہ بھی ہو۔ تب بھی وہ قرآن کے ساتھ لازم ہے اگر ایک شخص قرآن پر ایمان لاتا ہے اور اطیعوا اللہ کو تسلیم کرتا ہے تو اسے "اطیعوا الرسول" پر بھی ایمان لانا ہو گا۔ اس کے بغیر قرآن پر ایمان کی تکمیل نہ ہو گی۔

وایاکم والغلوّ فی الدین فانما اھلک من قبلکم الغلوّ فی الدّین ۔ نبی علیہ السلام نے دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا۔ اور اُسے اس درجہ خطرناک قرار دیا کہ واضح الفاظ میں بتا دیا کہ (دیکھنے میں اگرچہ یہ کوئی بُری اور ناپسندیدہ بات معلوم نہیں ہوتی مگر) اس درجہ مہلک ہے کہ تم سے پہلے بعض اُمتیں اسی کے سبب تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔

دنیا میں بڑی بڑی بدعتیں دین میں غلو کے سبب پیدا ہوئیں۔ انبیاء کو خدائی اختیارات سونپنا بزرگوں اور مذہبی پیشواؤں کو نبیوں کے رتبے تک پہنچانا۔ دین میں غلو کی صورتیں ہیں۔

نبی علیہ السلام نے اس قسم کی باتوں سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اس مقام پر بھی اسی طرف اشارہ ہے صحابۂ کرام کی زندگی دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ متوازن ہے کیونکہ حضور علیہ السّلام نے ان کی براہِ راست تربیت فرمائی۔ انہوں نے زندگی کے تمام معاملات میں بھرپور حصّہ لیا اور یہ نہیں کیا کہ کوئی صرف نماز روزہ ہی میں مشغول ہو گیا اور اس نے دوسرے تمام مشاغل ترک کر دیئے کسی نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور معاشرہ سے کٹ گیا۔

صحابۂ کرامؓ نے اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے حکم اور منشا کے مطابق دنیا کے تمام امور سرانجام دیئے۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ کا بھی اہتمام کیا۔ وسیع پیمانے پر کھیتی باڑی بھی کی۔ کامیابی کے ساتھ کاروبار بھی کیا جہاد میں بھی مصروف رہے، علم کی بھی خدمت کی غرض مکمل معاشرتی اور تمدّنی زندگی گزاری۔ یہی اسلام کو مطلوب ہے اور ہمیں اسی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

فاعبدوا ربکم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قرآن میں جہاں بھی اعبدوا کا لفظ آیا ہے، اس سے وَحِّدُوْا مراد ہے۔ یعنی اللہ کو ایک مانو، اسی کی بندگی کرو، کسی مشکل اور تکلیف میں اس کے سوا کسی کو مت پکارو۔ نہ اس کے نام کے علاوہ کسی کے نام پر کوئی نذر مانو، نہ جانور ذبح کرو۔ کیونکہ اللہ ہی خیر و شر کا مالک ہے۔ وہی رزاق ہے، وہی خالق ہے، وہی جزا اور سزا دینے والا ہے۔

عربی زبان کی رُو سے عبادت کے معنی بندگی کے ہیں۔ بندہ کو "عبد" کہا جاتا ہے۔ عبادت سے صرف ارکانِ اسلام مراد لینا اس لفظ کے مفہوم کو محدود کر دینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی اور حکم کے مطابق کیا جائے گا وہ عبادت ہے۔

عبادت کے مفہوم و معنی کو چند ارکان میں محدود کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے علاوہ اور کسی معاملے میں احکامِ الٰہی کی پیروی ثانوی درجہ کی چیز ہے۔ نماز پڑھ لی، اور حج کر لیا، اور اسلام کے پورے نظامِ اخلاق سے بری الذمہ ہو گئے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "حسنِ اخلاق نصف ایمان ہے" گویا اس طرح لوگ آدھے اسلام سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ قرآن کا حکم ہے: "اُدخلوا فی السِّلمِ کافۃ" اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہ نہیں کہ چند باتوں پر عمل کیا اور چند باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ نماز، روزہ، اور حج (جنہیں عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے) بھی بذاتِ خود مقصود بالذات نہیں، ان سب کا مقصد بھی قرآن تزکیۂ نفس بیان کرتا ہے لیکن لوگوں نے مقصودِ حقیقی کو چھوڑ دیا اور ذرائع کو سب کچھ سمجھ لیا۔

قرآنِ کریم کی بے شمار آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبادت سے صرف نماز روزہ اور حج وغیرہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے حکموں کی پیروی کی جائے۔ خود اس خطبۂ مبارکہ کی عبارت سے یہی واضح ہو رہا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے

فرمانے کے بعد فاعبدوا ربکم۔ اس کے مختلف مظاہر بیان فرمائے ان میں جہاں نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کا حکم ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ اپنے امراء اور حکام کی اطاعت کرو، تو گویا مسلم امراء اور حکام کی فرمانبرداری کرنا بھی عبادت ہے کیوں کہ اس سے اسلامی اتحاد و اتفاق باقی رہتا ہے نیز اسی خطبہ میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ، ان الشیطان قد یئس من ان یعبد، کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین میں اب اس کی بندگی اور فرمانبرداری کی جائے گی۔ یہاں عبادت (بندگی) سے یقیناً نماز، روزہ یا رکوع و سجود مراد نہیں ہیں بلکہ مقصد یہی ہے کہ زندگی کے جملہ کاموں میں اس کی پیروی کی جائے گی۔

قرآن کریم کے ارشاد "وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے بھی یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے حکم کی ہی پیروی کریں اور اس کائنات ارضی میں منشائے الٰہی کو پورا کریں۔

انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ
عاما و یحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ
فیحلوا ما حرم اللہ۔"

یہ قرآن کریم کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس کو حضور علیہ السلام نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں بیان فرمایا۔ اس میں عرب کی ایک جاہلانہ رسم کا بیان ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ پچھلے تمام انبیاء کی شریعتوں میں بھی سال کے بارہ مہینے ہوتے تھے ان میں سے چار مہینے ادب و احترام (حرمت والے) کے سمجھے جاتے تھے تین مہینے مسلسل شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور ایک مہینہ رجب کا۔

تمام انبیاء کی شریعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ملتا ہے اور اگر ان میں کوئی گناہ کیا جائے تو اس کا عذاب بھی زیادہ ہوگا۔۔ پچھلی

شریعتوں میں ان چار مہینوں کے دوران قتل و قتال بھی حرام تھا۔

بنی علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے قبل جب عرب میں جاہلانہ رسوم اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھیں اور قتل و قتال عربوں کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گیا تھا تو ان کے لئے یہ بات دشوار ہوگئی تھی کہ ان چار محترم مہینوں میں جنگ و جدال کو موقوف کر دیں۔ انہوں نے اپنے لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے مہینوں میں ردّ و بدل شروع کی، کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی اور لڑتے لڑتے محترم مہینہ آجاتا تو کہتے کہ اب یہ مہینہ محترم نہیں بلکہ اگلا مہینہ محترم ہے مہینوں کی ترتیب بدل لیتے محرم کو صفر بنا لیتے، اور صفر کو محرم، حتیٰ کہ یہاں تک کرتے کہ اگر لڑتے لڑتے دس مہینے ہو جاتے اور صرف دو مہینے باقی رہ گئے تو کہتے کہ یہ سال چودہ مہینوں کا ہے اس طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو محترم مہینے بنا لیتے۔ الہامی شریعت کا صرف اتنا احترام تو کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کو محترم مانتے اور ان میں جنگ و جدال سے گریز کرتے۔ مگر اللہ نے جو سال کے بارہ مہینوں کی ترتیب مقرر کی تھی اس کو بدل دیتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ تعین مشکل ہو گیا تھا کہ کون سا مہینہ رمضان کا ہے، اور کون سا رجب کا یا ذی الحجہ کا۔

ہجرتِ نبوی کے آٹھ برس بعد جب مکہ فتح ہوا اور اگلے برس (نو ہجری میں)، بنی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو تمام کافروں اور مشرکوں سے برأت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو حقیقی حساب سے یہ مہینہ ذی الحجہ کا تھا، مگر جاہلیت کے پرانے رسم و رواج اور ترتیب کے اعتبار سے ذی قعدہ کا تھا اور ان کے نزدیک اس سال حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی قعدہ کا مقرر تھا۔ آئندہ سال یعنی دس ہجری میں جب حضور علیہ السلام حج کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بنا کہ جاہلی حساب کی رو سے بھی حج کا مہینہ ذی الحجہ کا بنا اور حقیقی حساب سے بھی وہ مہینہ ذی الحجہ ہی کا تھا۔ اس لئے بنی علیہ السلام نے اپنے منا کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔ اِلا اِن الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض "یعنی زمانہ الٹ پلٹ کر اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اللہ نے زمین و آسمان

کی پیدائش کے وقت رکھا تھا یعنی جو مہینہ حقیقتاً ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا قرار پایا۔

یہ تھی وہ جاہلی رسم جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب میں کمی بیشی اور رد و بدل کر کے کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں ان تمام شرعی احکام میں خلل پڑتا تھا جو کسی خاص مہینے یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں،

"ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً، منها اربعة حرم ثلاثة

متوالية و رجب مضر الذی بین جمادی و شعبان"

انما النسئ زیادة" سے پہلے آیات قرآنی میں ارشاد ہے۔

ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً" یہاں بھی حضور علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک میں قرآنی آیت کا ایک جزو شامل کیا۔ اس میں وضاحت ہے کہ اللہ کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ اس میں کمی بیشی کا کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ ان بارہ میں سے چار مہینے محترم ہیں حرمت والا ان کو دو اعتبار سے کہا گیا ایک تو اس لئے کہ ان میں قتل و قتال حرام ہے اور دوسرے اس لئے کہ ان میں نیکیوں کا اجر و ثواب زیادہ ملتا ہے۔

اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے ان متبرک اور محترم مہینوں کی تشریح و تعیین اس طرح فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ۔ ان کو اشہرِ حج (حج کے مہینے) بھی کہا جاتا ہے۔

رجب کے معاملہ میں اہلِ عرب کے دو قول تھے بعض قبیلے تو اس مہینے کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں اور قبیلۂ مضر کے مطابق رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی کہ وہ رجب مراد ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

الا فلیبلغ الشاهد الغائب" اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ آدمی کو نیکی پھیلانی اور دوسروں تک پہنچانی چاہیئے ایک موقعہ پر نبی علیہ السلام نے فرمایا بلّغوا عنّی

ورسوا ایتہ مجھ سے جو بات سنو (یا کچھ دیکھو) اسے دوسروں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ بات انتہائی مختصر ہی کیوں نہ ہو بہت سی روایات میں تعلیم و تدریس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

"وانتم تسألون عنّی" یعنی میں نے تم لوگوں میں جو دعوت و تبلیغ کی ہے اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ تو تم اس وقت کیا جواب دو گے۔

قالوا: نشهد انّك قد ادّيت الامانة وبلغت الرسالة ونصحت" تمام حاضرین اور سامعین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں، اور دیں گے کہ آپ نے دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کی طرف سے جو امانت آپ کو سونپی گئی تھی آپ نے وہ بندوں تک پہنچانے میں مقدور بھر کوشش کی، اور امت کو ہر خیر اور بھلائی کی نصیحت کی۔

آنحضورؐ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا۔

اے اللہ ــــ تو گواہ رہنا!

اے اللہ ــــ تو گواہ رہنا!

اے اللہ ــــ تو گواہ رہنا!

ربّنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انّك انت التوّاب الرحيم۔

کتابیات

خطبۂ حجۃ الوداع کا متن حسبِ ذیل کتب سے لیا گیا ہے۔

صحیح بخاری شریف

صحیح مسلم شریف

ابو داؤد شریف

ترمذی شریف

السنن الکبریٰ ـــــ للبیہقی

زاد المعاد ـــــ ابن قیم جوزی

الطبقات الکبریٰ ـــــ ابن سعد

مروج الذہب ـــــ المسعودی

حجۃ الوداع ـــــ ابن حزم

حجۃ النبی ـــــ احمد عبد الغفور عطار

تشریحات کے ذیل میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی

الجامع لاحکام القرآن ـــــ امام قرطبی

سیرۃ النبی ـــــ شبلی نعمانی

معارف القرآن ـــــ مفتی محمد شفیع

معارف القرآن ـــــ مولانا محمد ادریس کاندھلوی

تفہیم القرآن ـــــــ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

معالم القرآن ـــــــ مولانا محمد علی الصدیقی

المرأۃ المسلمہ ـــــــ فرید وجدی

مطبع : ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی پریس ، اسلام آباد

مطبوعات شعبہ دعوۃ و ارشاد

ادارہ تحقیقات اسلامی ، پوسٹ بکس ۱۰۳۵

اسلام آباد - پاکستان

• • • •

عظمت قرآن کریم
مقالات سیرت
کسب حلال
صلوات فاخرہ با حادیث متواترہ
اسلام کی معاشی تعلیمات
کار دعوت کی دشواریاں اور مسائل
حرمت سود
اصول دعوت دین

- The Spirit of Hijrah & its revival in Modern Times
- Easy Method of Renouncing Bribary and importance of Earning Honest Livelihood
- Sermons of the Holy Prophet MUHAMMAD (peace be upon him)
  (Second revised & enlarged edition under preparation)
- The Meaning & Significance of Dawat-ill-Allah

مطبع : ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی پریس ، اسلام آباد